نظرات

مسلم پرسنل لاء کے تحفظ اور مسلمانوں کے عائلی قوانین کو عام تعزیری قوانین سے بالاتر رکھنے کے مطالبہ کے تحت ہندوستان بھر کے مسلمانوں میں جوش وخروش اور اضطراب کا جو طوفان اٹھ کھڑا ہوا، وہ اس لحاظ سے بے حد مفید اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک گیر، جوش وخروش اور مسلم پرسنل لاء کو کسی بھی بیرونی مداخلت سے محفوظ رکھنے کے لیے شمار مظاہروں کے بعد حکومت کے پاس اس طرح کا کوئی عذر باقی نہ رہے گا کہ اس معاملۂ خاص میں مسلمانوں کے اندر دو گروہ پائے جاتے ہیں، اور ایک گروہ ایسا بھی ہے، جو مسلم پرسنل لاء میں ترمیم اور تبدیلی کا حامی ہے۔

اگر کسی معاملے پر موافق اور مخالف آوازیں، دبی دبی اٹھیں اور بہت مختصر دائرے میں گھٹ کر بیٹھ جائیں تو حکومت کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ اس معاملہ میں رائیں بٹی ہوئی ہیں، اور حامی اور مخالف گروہوں کی تعداد کے غیر واضح اور نا معلوم رہ جانے کا فائدہ حکومت یہ کہہ کر اٹھا سکتی ہے کہ اس کی رائے میں، ان لوگوں کے مقابلے میں جو شرعی قوانین کو جوں کا توں بنائے رکھنا چاہتے ہیں، ان لوگوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے جو ان قوانین میں اصلاح و ترمیم کے حامی ہیں اور بدلے ہوئے حالات کے مطابق، ان قوانین میں تبدیلی چاہتے ہیں۔

مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے ہندوستان گیر مطالبے، اور تقریباً سب ہی ریاستوں میں غیر معمولی مجموں، اور مظاہروں کے ذریعہ شرعی قوانین میں کسی بھی قسم کی مداخلت کے خلاف آواز

بلند کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہوا ہے کہ حکومت، اور عوام دونوں پر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوگئی ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت، بلکہ اتفاقِ رائے تک پہنچی ہوئی کثرتِ رائے مسلم پرسنل لاء میں کسی بھی تبدیلی اور ترمیم کی شدید مخالف ہے اور اس اجتماعی رائے کے مقابلہ میں اُن چند افراد کی کوئی حیثیت نہیں ہے جو ایمانداری یا مصلحت، خوشامد کی راہ سے مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کے حق میں آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔

شاہ بانو بنام محمد احمد والے مقدمے میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد، مسلم پرسنل لاء بورڈ کی طرف سے رائے عامہ کے اظہار کی جو تحریک شروع کی گئی تھی، اُس کی تمام ملک میں پذیرائی، اور اس کی حمایت میں زبردست اجتماعات سے اب یہ حقیقت غیر مشکوک اور غیر مشتبہ انداز میں نکھر کر سامنے آگئی ہے کہ مسلمانانِ ہند، پرسنل لاء کو نہ صرف باقی رکھنا چاہتے ہیں، بلکہ اس میں اب تک جو لفظی خامیاں اور مفہوم کو خبط کرنے والی جو گنجائشیں پیدا ہوگئی ہیں، وہ انھیں بھی اس طرح دُور کرنے کے مطالبہ پر متفق الرائے ہیں کہ آئندہ کسی طرح کی غلطی، غلط فہمی یا تاویل کی گنجائش باقی نہ رہے۔

دستورِ ہند میں دفعہ ۴۴ کے تحت، یکساں سول کوڈ وضع کرنے کا جو اشارہ مرکزی حکومت کو یکساں سول کوڈ وضع کرنے کا جو اختیار دیتا ہے، اس کے بارے میں دستور کے نفاذ کے وقت سے ہی مخالفانہ آوازیں مسلم معاشرے میں اٹھتی رہی ہیں، اور اسی دستور کی دفعہ ۲۵ کے تحت جس میں اقلیتوں کو اپنے رسم و رواج اور اپنے مذہبی قوانین کے تحت زندگی بسر کرنے کی جو آزادی بلکہ ضمانت دی گئی ہے اس کی روشنی میں دفعہ ۴۴ کو ایک متعارض اور متضاد جز قرار دے کر دونوں دفعات میں ہم آہنگی اور مطابقت پیدا کرنے کا مطالبہ بھی روزِ اول سے کیا جاتا رہا ہے، اس مطالبہ کے جواب میں حکومت نے دفعہ ۴۴ میں ترمیم، پر آمادگی کے بجائے اقلیتوں کو مطمئن کرنے کے لئے یقین دہانیوں کا رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ اور گذشتہ ۳۸ برسوں میں جب بھی ایسا کوئی موقع آیا ہے کہ یکساں سول کوڈ کے حامیوں کی طرف سے دفعہ ۴۴ کو متحرک کر کے، نافذ کرنے کا مطالبہ سامنے لایا گیا یا اقلیتوں کی طرف سے اُن کے

معاشرتی قوانین کے دفعہ ۴۴۔ کی زد میں آنے کے خطرہ میں آنے کی آواز اٹھائی گئی تو حکومت نے ہمیشہ غیر مشتبہ الفاظ میں اس یقین دہانی کو دہرایا کہ جب تک اقلیتوں کی طرف سے خود ہی مذہبی یا معاشرتی قوانین کو بدلنے کا مطالبہ نہ کیا جائے گا، حکومت ان کے پرسنل لا ر میں مداخلت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔

ہندوستان کی آزادی کے ۳۸ برسوں میں، حکومت کی طرف سے پرسنل لا ر میں عدم مداخلت کی یقین دہانیاں، اتنی بار کی جا چکی ہیں کہ بظاہر اس معاملے میں کسی بدگمانی کی گنجائش نہ رہنا چاہیئے کہ حکومت ان یقین دہانیوں کے خلاف کوئی اقدام کرکے، پرسنل لار کو ختم کرنے یا اس میں ایسی ترمیم کی عہد شکنی کی مرتکب ہوگی، جس سے اِن قوانین کی انفرادیت ختم ہو جائے، لیکن گذشتہ برسوں میں کئی ایسے مواقع آئے کہ حکومت کے رویہ سے بدگمانیاں پیدا ہوئیں، اور ایسے قوانین کی خواندگی کے وقت، جو پرسنل لار پر منفی اثرات مرتب کرسکتے تھے، خود حکومت نے بھی ایسا رویہ اختیار کیا، جس سے اس کی نیت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہو سکتے تھے، اس طرح کی مثال میں متبنیٰ بل، اور ٹرسٹ قوانین وغیرہ کو پیش کیا جا سکتا ہے، جن سے مسلمانوں کو اس وقت مستثنیٰ کیا گیا جبکہ اُن کی مخالفت اور مزاحمت اور مستثنیٰ کرنے کے مطالبات کے سلسلے میں مسلمانوں کی غیر معمولی جدوجہد، حکومت کی نظروں میں بالکل ہی غیر مشکوک نہیں ہو گئی۔

اِن مسلسل تجربات سے، اگر اقلیتوں کے ذہن میں اس شک نے مستقل طور پر جگہ بنائی کہ اقلیتوں کو اپنے رسم و رواج اور اپنے مذہبی قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کی دستوری ضمانت، حکومت کی نظر میں بہت زیادہ وقیع نہیں ہے اور اسی لئے وہ عام قوانین کی خواندگی اور منظوری کے وقت مذکورہ دستوری ضمانت کو ملحوظ رکھنے کی کوئی پرواہ کرتی ہے تو اس کے لئے

اقلیتوں کو نہ تو قصور وار ٹھہرایا جا سکتا ہے نہ انھیں بہت زیادہ تنگی اور دہمی قرار دینے کا کوئی جواز مل سکتا ہے جن کا حکومت کے بعض حلقے، اقلیتوں کو ملزم بتاتے ہیں۔ اس کے برعکس اقلیتوں کی بے اعتباری، بد اعتمادی، تنگی اور وہمی ہونے کی تمام ذمہ داری حکومت کے اس مبہم رویہ پر عائد کی جاتی ہے، جو یقین دہانی کے وقت بھی اس سے منحرف ہونے کی گنجائش، اپنے الفاظ میں رکھتی ہے، مثال کے طور پر۔ جب بھی حکومت کی طرف سے پرسنل لا میں عدم مداخلت کی یقین دہانی، عام وزیروں سے لے کر وزراء اعظم کی طرف سے کی جاتی ہے تو اس میں قطعیت کے ساتھ کبھی یہ بات نہیں کہی جاتی کہ جب تک مسلمان خود ہی اتفاقِ رائے کے ساتھ اپنے پرسنل لا میں ترمیم یا تبدیلی کا مطالبہ نہ کریں گے حکومت اس میں مداخلت نہیں کرے گی۔ اس کے بجائے یہ کہہ کر کہ جب تک اقلیتیں خود ہی تبدیلی کا مطالبہ نہ کریں حکومت، اُن کے قوانین میں مداخلت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی — قطعیت کو قصداً نظر انداز کر دیا جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب بھی، حکومت کے زیر اثر کسی ادارے، یا آزاد خیال اور بیگانہ مذہب لوگوں کی کسی تنظیم یا کسی خاص میدان میں شہرت رکھنے والی کسی مسلم شخصیت کی طرف سے پرسنل لا میں ترمیم کی حمایت میں کوئی آواز بلند ہوتی ہے، اور ہندوستان کا قومی پریس، اس انفرادی حمایت، اور مسلمانوں کی اجتماعی رائے کے خلاف تبدیلی کی خواہاں اس آواز کو مسلمانوں کے اجتماعی مطالبے کی حیثیت میں قبول کرنے، اور حکومت کی طرف سے اس آواز اور حمایت کا مسلمانوں کی ترجمان آواز و حمایت کی حیثیت سے خیر مقدم کرنے کا رویہ ظاہر ہوتا ہے تو مسلمانوں میں، اس سے نہ صرف پریشانی پھیلتی ہے بلکہ حکومت کے عزائم اور نیت کے بارے میں بدگمانی اور شک و شبہ کے جذبات عام ہونے لگتے ہیں۔

جمہوری نظام کی ایک سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ دھیمے لہجہ میں کہی جانیوالی معقول سے معقول بات بھی، اربابِ اقتدار کے نزدیک غیر مؤثر اور ناقابلِ توجہ ٹھہرتی ہے اس کے برعکس زور شور،

مظاہروں، اور ہر طرح ہنگاموں کی زبان میں کہی جانے والی غیر معقولی سے غیر معقول باتیں بھی اس کے لئے فوری توجہ طلب اور قابلِ سماعت سمجھی جاتی ہیں، اس عام رجحان کی موجودگی میں اگر اب کی بار مسلمانوں نے بھی جلسے جلوسوں، مظاہروں اور احتجاجی اجتماعات کے ذریعہ وقت کے عام تقاضوں کے مطابق اپنے احساسات، اور اپنے مطالبات کی طرف اربابِ اقتدار کو متوجہ کرنے کا راستہ اختیار کیا تو ان کے اِس جذبہ کی قدر کی جانی چاہیئے کہ وہ ایک جائز معقول، اور ایسی بات کو زور سے کہہ رہے ہیں، جسے کہنے کی، فی الواقعہ کوئی ضرورت ہی نہیں تھی، بشرطیکہ وہ سمجھتے کہ حکومت دستوری ضمانت کا احترام ہر حال میں ملحوظ رکھے گی، اور اقلیتوں کے پرسنل لا میں عدم مداخلت کی اپنی یقین دہانیوں کو حرف بحرف پورا کرنے کا خیال اس کے ذہن کو قوانین کی اجرائی کے وقت بھی بیدار اور مستعد رکھے گا۔

محترمی۔ اسلام علیکم

مزاج گرامی

تقریباً پچھلے دو ماہ سے ماہنامہ رسالہ برہان دہلی میں اغلاط اور تصحیح کی کمی اور کتابت کا بے ڈھنگ اور بھونڈا پن وغیرہ دیکھ کر آپ لوگ ایسے علمی رسالے کے بارے میں ایک دم کیا خیال فرماتے ہوں گے کہ رسالے کی یہ نوعیت بھی ہو سکتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کا معیار کبھی نہ گرنے پائے اس کی ہمیشہ سے بہت جدوجہد کی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود میری لاپرواہی اس میں لاحق ہوئی جس کا مجھے احساس ہے اور بے حد ندامت ہے، اس کیلئے معذرت خواہ ہوں۔ دعا ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس طرف پوری توجہ رکھ کر رسالہ درست اور صحیح شائع ہو سکے

معذرت خواہ

خادم عمید الرحمٰن عثمانی